بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سعودی عرب کا عدالتی نظام

تالیف ـ ممتاز احمد عبد اللطیف

ناشر ـ مرکز الاصلاح التعلیمی الخیری ـ اموا مدینة الشیخ.شیوھر. بھار ـ انڈیا

کسی بھی باشعور انسان بلکہ کسی بھی ذی روح کے لئے سماج سے الگ ہوکر زندگی گزارنا ممکن نہیں، کیوں کہ اس کی تخلیق کی غایت اوراس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ سماج کے دوسرے افراد کے ساتھ مل جل کر رہے، اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو.

انسان کا یہ فطری تقاضا اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے معاشرے سے اپنے حقوق کی حصول یابی پر آمادہ کرتا ہے، درست اور صحیح رہنمائی کے فقدان کی وجہ سے وہ جادۂ مستقیم سے ہٹ کر دوسروں کے حقوق سلب کرتا ہے، گرچہ اس کی فطرت سلیم اسے اس انحراف سے روکتی ہے لیکن وہ اپنی فطرت کے خلاف جنگ کرکے اپنی ضروریات کی تکمیل اور حقوق کی بالادستی کی کوششوں میں اندھا ہوکر دوسروں پر ظلم وستم کرتا اور اللہ کی زمین کو شر وفساد سے بھرنے لگتا ہے، اگر اللہ کا کرم اور اس کی نوازش نہ ہوتو زمین میں شر وفساد ہی کی کارفرمائی ہو:

’’ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض و لكن الله ذو فضل على العالمين‘

‘﴿البقرة: ۲۵۱﴾

اگر اللہ تعالی بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالی دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے.

عربی زبان کا مشہور شاعر متنبّی کہتا ہے: **و الظلم من شيم النفوس فإن تجد☆ ذاعفة فلعله لا يظلم**

ظلم کرنا انسانی نفوس کی عادات میں داخل ہے، اگر وہ عفت و پاکدامنی کے زیور سے آراستہ ہو جائیں تو امید ہے کہ وہ ظلم وستم سے باز رہیں.

انسانی نفوس کے اس انحراف کے پیش نظر علم النفس کے ماہرین نے کہا ہے:

’’اپنی بقا کے لئے باہمی تنازع انسانیت کا خاصہ اور بشریت کا تقاضا ہے‘‘

عدالتی نظام کی ضرورت

انسان کے اس انحراف کو روکنے کے لئے انسانی معاشرے میں عدالتی نظام کی ضرورت پڑی، تاکہ مظلوموں کی دادرسی، ان کے حقوق کی بازیابی، ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جاسکے.

دنیا کا کوئی بھی معاشرہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ اس نظام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، کیوں کہ انسانی بقا اور اس کے نظام حیات کی درستگی کے لئے کھانے پینے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی طرح ظلم کا ازالہ اور عدل وانصاف کا قیام ضروری ہے.

اسلام کا عدالتی نظام

عدل وانصاف کا جو بھی نظام دنیا میں قائم ہے، اس میں اسلام کا عدالتی نظام ہر طرح کے خطا ونسیان اور عیب ونقص سے پا ک ہے، کیوں کہ یہ نظام پاک اور مقدس ذات کے دربار سے صادر ہوا ہے:

"وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط" ﴿الحديد: ۲۵﴾

اور ہم نے ان نبیوں کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں.

"إن الله لايظلم مثقال ذرة وإن تک حسنة يضاعفها
ويؤت من لدنه أجرا عظيما" ﴿النساء: ۴۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتا ہے.

"إن الله يأمر بالعدل و الإحسان وإيتآء ذي القربى و ينهى عن الفحشآء والمنكر و البغي يعظكم لعلكم تذكرون" ﴿النحل: ۹۰﴾

اللہ تعالیٰ عدل، بھلائی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ تمہیں خود نصیحتیں کرتا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو،

مذکورہ آیات قرآنی اور اس سلسلے کی دیگر شرعی نصوص کی روشنی میں امام ماوردیؒ نے اپنی کتاب "الأحکام السلطانیۃ" میں اسلام کے عدالتی نظام کی خصوصیات اور ضابطوں کا بڑے اچھے انداز میں ذکر کیا ہے، جن میں سے ذیل کی خصوصیات اور ضابطے بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

﴿۱﴾ کسی دوسرے قانون اور نظام کی طرف رجوع کئے بغیر اسلامی شریعت کی کامل تطبیق کرنا.

﴿۲﴾ لوگوں کے درمیان مقتضائے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا.

﴿۳﴾ ہر قاضی کو شریعت کا گہرا علم ہو اور وہ اپنے اندر قوتِ فیصلہ کی بدرجۂ اتم صلاحیت رکھتا ہو، نیز موجودہ حقائق و وقائع سے پوری طرح باخبر ہو.

﴿۴﴾ ہر قاضی کے اندر روحِ عدالت کارفرما ہو.

﴿۵﴾ عدلیہ کا نظام مستقل ہو وہ کسی اقتدار یا کسی خاص گروہ کا رہینِ منت نہ ہو.

اسلام کے عدالتی نظام کی تنفیذ

اسلام کا عدالتی نظام اپنی ان تمام خصوصیات اور ضابطوں کے ساتھ نبوت و رسالت کے تمام عہدوں میں جزوی اور فرعی رد وبدل کے ساتھ نافذ رہا ہے، سب سے اخیر میں نبی ﷺ کے ذریعے جو عدالتی نظام قائم ہوا وہ عہدِ نبوی اور عہدِ خلفائے راشدین میں بدرجۂ اتم قائم رہا، پھر عہدِ اموی، عہدِ عباسی اور اس کے بعد تمام عہود میں کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا.

جب ۱۹۲۴ء میں ترکوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی حلافت کی قبا چاک ہوگئی تو باضابطہ اسلامی عدالت کا نظام بھی معمورۂ عالم

پر قائم نہ رہ سکا.

جن دنوں خلافت کی یہ قبا چاک ہورہی تھی، ٹھیک ان ہی دنوں قدرت کے ہاتھوں جزیرۂ عرب میں اسلام کی آبیاری ہورہی تھی، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس خطے میں اسلامی نظام کی کامل تنفیذ عمل میں آ گئی، فطرۃً اس عملی تنفیذ کا ایک رکن رکین اسلامی عدالت تھا جو ہماری اس بحث کا موضوع ہے ''سعودی عرب کا عدالتی نظام''

سعودی عرب کے عدالتی نظام کی شرعی حیثیت

صرف عالمِ اسلام ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے حقیقت پسند عناصر اس بات کے معترف ہیں کہ سعودی عرب دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں زندگی کے ہر شعبے پر اسلامی نظام کی کارفرمائی ہے، وہاں کا عدالتی نظام قرونِ اولی کی طرح کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے ماہرین علمائے کرام اور مشائخ عظام کے ہاتھوں میں ہے، وہاں منصب قضا پر فائز ہونے کے لئے'' کلیہ شرعیہ'' سے فارغ ہونا ضروری ہے، جس کے فارغین کی حیثیت تقریبا برصغیر کے دینی اداروں کے فارغین کی سی ہے.

سعودی عرب میں عدالتی نظام کی ابتداء

اس نظام کی بحالی اور اجراء کا ابتدائی سہرا امام الدعوہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ﴿۱۷۰۳ء-۱۷۹۲ء﴾ کے سر بندھتا ہے، حق کی راہ میں ان کی دعوتی اور اصلاحی کوششوں کے ثمردار ہونے کے بعد امام ملک عبدالعزیزؒ نے کتاب وسنت کی روشنی میں باضابطہ عدالتی نظام قائم کیا، قائم کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا:

''لا كبير عندي إلا الضعيف حتىٰ آخذ الحق له ، ولا ضعيف عندي إلا الظالم حتىٰ آخذ الحق منه''

﴿جزيرة العرب في القرن العشرين للشيخ حافظ وهبه﴾

کمزور ہی میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں، اور ظالم ہی میرے نزدیک کمزور ہے حتی کہ میں اس سے دوسروں کا حق واپس کرادوں.

سعودی عرب کی تشکیل کے پہلے حجاز ونجد کا عدالتی نظام

امام ملک عبدالعزیزؒ ﴿۱۸۷۶ء-۱۹۵۳ء﴾ کے عدالتی نظام کے قیام کے پہلے حجاز ونجد کے پورے علاقے پر جو عدالتی نظام محیط تھا اسے تین مختلف حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے:

﴿۱﴾ حجاز کے علاقے پر عثمانی خلافت اور پھر انگریزیوں کی مدد سے شریف مکہ کی امارت وادارت میں تقریبا فقہ حنفی کے مطابق عدالتی نظام قائم تھا.

﴿۲﴾ نجد کے جن علاقوں پر دین کا غلبہ تھا، وہاں امراء کی ادارت ونظامت میں عالم دین شرعی قاضی مقرر ہوا کرتے تھے، اسی ضمن کے قاضی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے والد گرامی شیخ عبدالوہابؒ اور ان کے دادا شیخ سلیمانؒ تھے.

﴿۳﴾ حجاز ونجد کے اندر ان دونوں نظاموں کے علاوہ مختلف قبائل میں وہاں کے عرفِ عام اور عادات وتقالید کے مطابق بھی عدالتی نظام روبعمل تھے.

امام ملک عبد العزیزؒ کو ۱۹۲۵ء میں حجاز ونجد کے پورے علاقے پر غلبہ حاصل ہونے کے بعد مذکورہ تینوں طرح کے نظامہائے عدالت سے سابقہ پڑا، گرچہ ان مختلف نظاموں کو کتاب وسنت کی روشنی میں ڈھال کر ایک کرنا بڑا مشکل کام تھا، لیکن ان کی فکر رسا قوت اور دوررس نگاہ نے آہستہ آہستہ انہیں ایک لڑی میں پرو کر اور کتاب وسنت کے زیور سے آراستہ کر کے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ اور آئیڈیل قائم کر دیا.

اس کی باضابطہ تنظیم وترتیب کے لئے ۱۳۷۹/۹/۲۲ھ میں شاہی قرار داد نمبر ۱۹۷۴۶ پاس ہوئی، اور پھر ۱۳۹۰ھ میں ''وزارۃ العدل'' کا قیام عمل میں آیا.

وزارۃ العدل کے تحت سعودی عرب میں چلنے والے عدالتی نظام کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

﴿۱﴾ شرعی محاکم ﴿شرعی کوٹس﴾

﴿۲﴾ دیوانِ مظالم ﴿مظلومین کی دادرسی کا خاص ادارہ﴾

﴿۱﴾ شرعی محاکم

عدالتی نظام کو آسان بنانے اور مقدمات کی جلد گرہ کشائی کے لئے شرعی محاکم کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

﴿ا﴾ مجلس اعلی للقضاء:

یہ مجلس گیارہ ممبران پر مشتمل ہوتی ہے، جن میں سے پانچ کی تقرری شاہی قرارداد کے ذریعے ہوتی ہے، اور انہی میں سے اس مجلس کا رئیس مقرر ہوتا ہے، اور یہ افراد خاص طور پر اس مجلس کی نگرانی اور اس کے جملہ امور کی دیکھ بھال کے لئے مامور ہوتے ہیں، اور دیگر پانچ ممبران مملکت میں قائم ''محاکم تمیز'' کے رؤساء ہوتے ہیں اور گیارہواں ممبر ''وزارۃ العدل'' کا وکیل یعنی ریکٹر ہوتا ہے.

اس مجلس کی جائے قرار مملکت کا دارالسلطنت ریاض ہے اور اس کے خاص اور بنیادی کام یہ ہیں:

☆ ان مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی میں غور وفکر کرنا جو بادشاہ کی طرف سے ان کی طرف تحویل کئے جاتے ہیں.

☆ ان مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی میں غور وخوض کرنا جو وزیر العدل کی طرف سے تحویل کئے جاتے ہیں.

☆ وزیر عدل کی طرف سے تحویل کئے گئے مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی میں انہیں اپنی رائے کا اظہار کرنا.

﴿ب﴾ محاکم تمیز:

یہ محکمے ایک رئیس اور چند قاضیوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اور ہر محکمہ کے اندر مقدمات کو جلد نپٹانے کے لئے عموما تین شعبے قائم ہوتے ہیں:

☆ جزاء وسزا میں غور وفکر کا شعبہ.

☆ شخصی حالات میں غور وخوض کا شعبہ.

☆ دیگر معاملات ومقدمات میں غور وفکر کا شعبہ.

اور ہر شعبے کا ایک رئیس ہوتا ہے، اورضرورت پڑنے پر اس کے مزید شعبے قائم کئے جاتے ہیں.

محاکم تمیز کے بنیادی اور خاص کام یہ ہیں

☆ محاکم عامہ اور محاکم جزائیہ سے صادرشدہ فیصلوں پر کئے گئے اعتراضات پر غور وفکر کرنا.
☆ محاکم عامہ اور محاکم جزائیہ کے فیصلوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا کہ کس حد تک ان فیصلوں میں کتاب وسنت اور اس کی روشنی میں مرتب کئے گئے قوانین کا التزام کیا گیا ہے، اور اگر ان فیصلوں میں کوئی کوتاہی یا کمی واقع ہوئی ہے یا باہم ان میں ٹکراو کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے تو اسے کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں دور کرنا.
یہ محکمے مملکت کے بڑے شہروں میں قائم ہیں جیسے مکہ مکرمہ اور دمام وغیرہ.

﴿ج﴾ محاکم عامہ:
یہ محکمے ایک یا ایک سے زیادہ قاضیوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ''مجلس اعلی للقضاء'' کی سفارشات وگزارشات کی روشنی میں '' وزارۃ العدل'' ان محکموں کو مملکت کے شہروں میں حسب ضروت قائم کرتی ہے اور بالفعل اس قبیل کے بہت سارے محکمے مملکت میں قائم ہیں اور اپنے فرائض انجام دیرہے ہیں.

ان محاکم کے خاص اور بنیادی کام یہ ہیں

☆ محاکم جزئیہ سے جو فیصلے صادر ہوتے ہیں ان میں غور وفکر کرنا.
☆ قتل، رجم اور قطعِ ید کے مقدمات میں تین قاضیوں کی ایک بینچ فیصلہ کرتی ہے، ان کے علاوہ دیگر جملہ معاملات و مقدمات میں ایک ہی قاضی کا فیصلہ کافی ہوتا ہے.

﴿د﴾ محاکم جزئیہ:
یہ محکمے بھی ایک یا ایک سے زیادہ قاضیوں پر مشتمل ہوتے ہیں، اور انہیں بھی ''مجلس اعلی للقضاء'' کی سفارشات و گزارشات کی روشنی میں '' وزارۃ العدل'' حسب ضروت مملکت کے مختلف شہروں میں قائم کرتی ہے، اور بالفعل اس قبیل کے بھی بہت سارے محکمے مملکت کے مختلف شہروں میں قائم ہیں اور اپنے فرائض انجام دیرہے ہیں.

ان محکموں کے بنیادی اور خاص کام یہ ہیں

☆ تعزیرات، شراب کی حد اور کم درجے کی دیتوں کا فیصلہ کرنا.
☆ عائلی اور معاشرتی مقدمات کا فیصلہ کرنا نیز آٹھ ہزار تک کے مالی معاملات کا فیصلہ کرنا.

﴿۲﴾ دیوانِ مظالم

دیوانِ مظالم کی ابتدا امام ملک عبد العزیزؒ نے دیوانِ ملکی میں ایک صندوق ڈال کر کی، جس میں مظلومین اپنی شکایتوں کو تحریری شکل میں ڈالتے ، پھران کی سماعت اور مناسب کاروائی کی جاتی.
اور خود مظلومین کی دادرسی اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وقت نکال کر بلکہ ان سے ملاقات اور ان کی باتوں کو سننے کے لئے دن مقرر کر کے یہ فریضہ انجام دیتے، جس کا سلسلہ آج بھی مملکت میں جاری ہے.
مملکت کی وسعت پزیری اور اس کے دائرۂ کار میں روز بروز اضافہ کے پیش نظر ۱۳۷۴ھ میں اس اہم کام کی باضابطہ انجام دہی کے لئے'' دیوانِ مظالم'' کے نام سے ایک خاص ادارہ قائم کیا گیا، جس کا ایک رئیس اور اس کے چند نائبین ہوتے ہیں، رئیس کا مرتبہ وزیر کے برابر ہوتا ہے، اور یہ پوری باڈی شرعی علوم کے ماہرین اور حالاتِ حاضرہ کے نظاموں، حقائق اور وقائع سے باخبر ہوتی ہے.
جس کا صدر دفتر ریاض میں ہے اور اس کی تین شاخیں'' جدہ''،'' دمام'' اور'' ابہا'' میں ہیں.

اس ادارے کے خاص اور بنیادی کام یہ ہیں

☆ ملکی اور غیر ملکی افراد کی شکایتوں پر غور وخوض اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا مناسب حل تلاش کرنا نیز تادیبی کاروائی کرنا.
☆ پیش کردہ شکایتوں پر کاروائی پوشیدہ انداز میں کی جاتی ہے الا یہ کہ متہم خود ہی اپنا دفاع تحریری اور تقریری شکل میں اعلانیہ کرے.
مملکت کی دن بدن وسعت پزیری، اور اس کے بڑھتے ہوئے کام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان دونوں عدالتی نظاموں کے علاوہ بھی چند خاص کمیٹیاں خاص خاص مسائل کو حل کرنے کے لئے تشکیل دی گئیں ہیں جو اپنا کام بخوبی انجام دے رہی ہیں.
جیسے:
☆ تجارتی منازعات کی فیصلہ کمیٹی.
☆ تجارتی معاملات میں دھوکہ دھڑی کی فیصلہ کمیٹی.
☆ نئے مالی نظام میں خلل کے معالجے کے لئے کمیٹی.
☆ شرکات، وکالات اور کمپنیوں میں خلل اور بدنظمی کے علاج کے لئے کمیٹی.
☆ غیر ملکی افراد کے ساتھ غلط سلوک سے نبٹنے والی کمیٹی. وغیرہ.

اپیل کا حق

اسلام کے عدالتی نظام کے اصول ضوابط اللہ تعالی کی طرف سے کتاب وسنت کی شکل میں ہمارے لئے مقرر کئے گئے ہیں، جن میں کسی قسم کی خطا ونسیان کا قطعی کوئی احتمال وامکان نہیں.
لہذا! فقہائے اسلام نے ہر اس فیصلے کو جسے قاضیٔ شریعت نے کسی نصِ قرآنی یا کسی حدیثِ نبوی یا اجماعِ امت کی بنیاد پر

کیا ہو، اس میں کسی شخص کا کوئی عیب نکالنا، یا اسے کسی طعن وتشنیع کا شکار بنانا، یا اس میں شک وشبہے کا شوشہ چھوڑنا یا اس کے کسی فیصلے کو دل سے قبول نہ کرنا اور اسے ایک قاضی سے دوسرے قاضی یا ایک محکمے سے فیصلے کے بعد دوسرے محکمے میں لے جانا درحقیقت کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے فیصلوں پر اعتراض کرنا اور انہیں نہ ماننے کے لئے حیلہ اور بہانہ تلاش کرنا ہے، جو اداشریعت کی نظر میں نہایت ہی مبغوض ہے اور جس کی کتاب وسنت میں سخت وعید آئی ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''فلا وربک لا یؤ منون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا في أنفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما''﴿النساء: ٦٥﴾

پس قسم ہے پروردگار کی! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپس کے جملہ اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمابرداری کے ساتھ قبول کرلیں.

یہ آیت ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے ایک فیصلے کے جواب میں کہا تھا :''چونکہ زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، اس لئے اس کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں﴿بخاری﴾

اس روایت کے علاوہ ابن کثیر نے مذکورہ آیت کے شانِ نزول کے تحت ایک اور بھی روایت'' حافظ ابواسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن عن ضمرہ سے نقل کی ہے کہ عہدِ رسول ﷺ میں دو شخص اپنا مقدمہ لیکر آپ کی خدمت میں آئے، آپ نے حقدار کے حق میں فیصلہ کیا، لیکن فریق مخالف اس فیصلہ سے راضی نہ ہوا، اور اپنا معاملہ ابوبکرؓ کے پاس گیا، انہوں نے اللہ کے رسول کے فیصلے کو بعینہ برقرار رکھا تو پھر وہ اپنا معاملہ عمر فاروقؓ کے پاس لے گیا، انہوں نے حقیقت حال سن کر اس شخص کا سر قلم کردیا''

یہ مرسل روایت ہے جو محدثین کے نزدیک سنداً ضعیف ہے لیکن شیخ محمد نسیف الرفاعی نے تفسیر ابن کثیر کی احادیث کی تخریج میں اس مرسل روایت کو صحیح قرار دیا ہے.

یہ روایت سنداً صحیح ہو یا نہ، لیکن شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اللہ کے فرامین اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے مطابق اگر کوئی فیصلہ ہوگیا ہو تو اس کا انکار کرنا، یا اس کے خلاف اعتراض کرنا، بلکہ اس کے خلاف دل میں کسی طرح کا انقباض لانا ایمان کے منافی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''والذي نفسي بیده لایؤمن أحدکم حتیٰ یکون هواه تبعا لما جئت به''﴿البخاری﴾

قسم ہے اس ذات گرامی کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس وقت تک تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش نفس کو میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ کرلے.

ہاں! اگر بشری تقاضے کے مطابق کسی قاضی سے فیصلہ کرنے میں کوئی بھول چوک، کوتاہی یا غلطی ہو جائے خاص کر اجتہادی مسائل میں تو اس کے حل کی طبعی شکل سعودی نظامِ عدالت میں بدرجۂ اتم موجود ہے، وہ یہ کہ محاکم عامہ اور محاکم جزیئہ سے صادر شدہ فیصلوں کو غور وخوض اور نظر ثانی کے لئے وہاں کے محاکم تمییز میں بھیج دیا جاتا ہے، جن کے بنیادی

کاموں میں ان محولہ فیصلوں پر کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں غور وخوض اور نظر ثانی کر کے ان پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہوتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی فیصلہ کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے خلاف ہوگیا ہوتو اسے رد کر کے اسی محکمے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، جہاں سے وہ فیصلہ صادر ہوا تھا، تاکہ پھر سے کتاب وسنت کی روشنی میں وہاں اس کا دوبارہ فیصلہ کیا جا سکے، اور اگر کوئی جزئی چوک یا غلطی ہوگئی ہوتو محکمۂ تمییز اس کی وضاحت کر کے پھر اسی محکمے کی طرف لوٹا دیتا ہے جہاں سے وہ فیصلہ صادر ہوا تھا تاکہ وہاں اس کی تصحیح کی جا سکے.

مثال کے طور پر گزشتہ سال ﴿۱۹۹۹ء﴾ میں میرے ایک عزیز نیاز احسنؒ کا انتقال سعودی عرب کے ''منطقۂ ابہا'' کے ایک چھوٹے سے قصبے ''خمیس مشیط'' میں گاری ایکسیڈینٹ کے ذریعے ہوگیا، دیت کے سلسلے میں وہاں کے محکمے نے فیصلہ کر کے اپنے فیصلے کوحسبِ نظام تصدیق کے لئے محکمۂ تمییز مکہ مکرمہ بھیج دیا، وہاں اس فیصلے پر غور وخوض اور نظر ثانی کے بعد نوٹ چڑھا کر پھر اسی محکمے کی طرف لوٹا دیا گیا جہاں سے وہ فیصلہ صادر ہوا تھا، کیوں قاضی نے دیت کی رقم منجملہ ایک ہی جگہ لکھ دی تھی، حالانکہ کتاب وسنت کے مطابق میت کے تمام وارثین کے درمیان رقم کی تقسیم کر کے بھیجنا ضروری تھا تاکہ ہر وارث کوشریعت کے مطابق اس کا حق الگ الگ مل جائے.

چنانچہ مذکورہ فیصلے میں پھر وارثین کا تقسیم نامہ لکھ کر مکہ مکرمہ کے محکمۂ تمییز کو بھیجا گیا اور پھر وہاں سے اس جدید فیصلے پر جلد ہی مہر تصدیق ہوکر آ گیا اور اس طرح ہر وارث کوشریعت کے مطابق اس کا حق بآسانی مل گیا.
قارئین !اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا اس طرح کے باوقار، مناسب شرعی عدالتی نظام میں قانون وضعی کی طرح اپیل در اپیل کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے.

اب پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی کہ سعودی عرب کے محاکم سے صادر شدہ فیصلوں کو وہاں کے محاکم تمییز کے ذریعے اپیل کا شرعی، طبعی، فطری اٹومیٹک حق حاصل ہے.

اس کے علاوہ بعض مسائل میں محکوم علیہ اپنے اعتراضات اسی محکمے میں داخل کرسکتا ہے، جہاں سے اس کا فیصلہ صادر ہوا ہے، تاکہ اس پر نظر ثانی کیا جاسکے. جیسے وقف اور وصیت وغیرہ کے مسائل ومقدمات.

پھر اس مسئلے کا فیصلہ وہی محکمہ محکمۂ تمییز اور مجلس اعلی للقضاء کے مشورے اور ہدایات پر کرتا ہے.
نیز ملکی اور غیر ملکی ہر طرح کے افراد کو اپنی شکایات ''دیوان مظالم'' میں درج کرانے کا پورا پورا حق حاصل ہے، جہاں سے بہت ہی جلد صاحب حق کو اس کا حق عدل وانصاف کے ساتھ مل جایا کرتا ہے.

یہ ہے سعودی عرب کے عدالتی نظام پر ایک مختصر مقالہ، جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا ہر بند اور ہر قانون کتاب و سنت کی روشنی میں ڈھالا گیا ہے، اور جہاں سے ہر شخص کو جلد از جلد اس کا حق شریعت اسلامیہ کے مطابق مل جایا کرتا ہے، جس کے اندر حقوق کی بازیابی کے لئے فطری اپیل کا بھی پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے.

اب اس صاف ستھرے نظامِ عدالت پر کسی کا منہ آنا اور اسے دنیا کے موجودہ وضعی قانون کی روشنی میں مرتب کردہ عدالتی نظاموں سے نیچا کر دیکھانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ بلکہ ایسی احمقانہ حرکت وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل و دماغ علم و حکمت اور فکر و ادراک سے خالی ہو، اور جس نے اپنی فطرت سلیم کا حلیہ گناہ گناہ کرتے کرتے بگاڑ لیا ہو.

قارئین! ذرا آپ دنیا خاص کر برصغیر کے نظامہائے عدالت پر ایک نظر دوڑا جائیے تو آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائیگی کہ وہاں ایک فیصلہ کی گرہ کشائی کے لئے سالوں لگ جاتے ہیں، تب بھی حق دار کو اس کا حق نہیں مل پاتا، اور بسا اوقات صاحب حق اس دنیا سے اپنے حق کی طلب میں گردش کھاتے کھاتے چل بستا ہے، اور اس کا معاملہ وکیلوں اور ججوں کے ٹیبلوں کی زینت بنا رہتا ہے، گرچہ اس وضعی نظام میں لوور کورٹ سے ہائی کورٹ اور ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ میں اپیل کرنے بڑا پرفریب آزادانہ حق لوگوں کو حاصل ہے، لیکن انجام کار کے اعتبار سے نہایت ہی ناقص اور ناکارہ ہے، کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وضعی قانون میں تبدیلی ہوگئی تو پہلے سے پیش شدہ مقدمہ کی نوعیت، کیفیت اور شکل وصورت مسخ ہوجاتی ہے اور صاحب حق کفِ افسوس مل کر رہ جاتا ہے، اس کے برعکس شریعت کے عدالتی نظام میں کسی سیاسی تبدلی سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور صاحب حق کو ہر صورت میں اس کا حق دیر یا سویر مل جاتا ہے.

ملاحظہ

یہ مختصر مقالہ ''دہلی'' کے ایک مجلّہ ''شگوفہ'' کی فرمائش پر تحریر کیا گیا ہے.

فقط: ممتاز احمد عبد اللطیف
اسلامک سینٹر دبی
۱۱/ستمبر ۲۰۰۰ء